شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عصرِ حاضر کے چیلنج

مولانا محمد عیسیٰ منصوری*

برِصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملّتِ اسلامیہ کو رام راج یا برہمن سامراج کا لقمہ تر بننے سے بچایا اور حضرت شیخ الہند نے برصغیر میں برٹش ایمپائر کے استحکام اور اسلام کے خلاف انگریز ہندو ملی بھگت کے بعد ملّتِ اسلامیہ کی بقا و رہنمائی کا پروگرام دیا۔ برصغیر کا تاریخ میں آپ کا کردار سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نہ صرف مدرسۂ دیوبند کے پہلے طالب علم تھے بلکہ بانی مدرسۂ دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کے حقیقی، علمی، فکری و عملی جانشین بھی تھے۔

۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد برٹش ایمپائر اور برہمن سامراج نے ملی بھگت کر کے ملّت اسلامیہ کو غلام اور شودر بنانے کی منصوبہ بندی کر لی تھی، ملّتِ اسلامیہ ہند کسی محاذ پر دشمن کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی اور حوصلہ ہار چکی تھی۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء میں علما و مشائخ اور دینی جذبہ رکھنے والے مسلمان ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں قتل و پھانسی پر چڑھ گئے یا کالا پانی و سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے۔ ایسے نازک حالات میں ملّتِ اسلامیہ کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والا یہ جاں فروش طبقہ (علمائے حق) ملّت کے زخموں کو مندمل ہونے اور ایک نئی نسل کی تیاری کے لیے نئی حکمتِ عملی پر عمل شروع کر دیا، وہ حکمتِ عملی یہ تھی کہ کچھ عرصہ کے لیے دشمن کے سامنے سے ہٹ کر اسے غافل کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت اور جہاد سے لیس ایک اور نسل تیار کی جائے، اس مشن کی خاطر دیوبند میں مدرسہ اور گنگوہ میں خانقاہ کے نام سے کام شروع ہوا، بقول حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

''میں نے (دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے) اپنے مشن پر علم کی چادر ڈال دی ہے۔''

اور بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ:

''حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے یہ مدرسہ کیا محض درس و تدریس کے لیے قائم کیا تھا؟ بلکہ شاملی کی شکست کے بعد تلافی کے لیے یہ پُر حکمت اقدام تھا۔''

آج بھی ہم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی پالیسی و حکمتِ عملی کے دور میں ہیں، برصغیر میں دین کے تمام تر شعبوں کا سلسلہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات پر منتہی ہوتا ہے، حضرت تھانوی ہوں یا علّامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مدنی

☆ چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

ہوں یا مولانا محمد الیاس یا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ۔ بیسویں صدی کے تقریباً سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان اکابر نے ملّتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقاء احیا و سربلندی کے لیے الگ الگ محاذ سنبھالا۔ حضرت مدنیؒ کا اصل محاذ یہ تھا کہ برصغیر اور عالم عرب سے انگریز کو نکالا جائے۔ حضرت تھانویؒ کا اصل کام تصوف کے متعلق، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ادھورے کام کی تکمیل تھی یعنی تصوف کو بدعات و محدثات عجمی و بیرونی اثرات سے پاک وصاف کر کے قرآن وسنت کے عین مطابق بنا دیا جائے۔ حضرت مولانا الیاس کا اصل کام ملّتِ اسلامیہ کو کلمہ نماز اور دین کی مبادیات تک سے دوری ہوگئی تھی ان کے ایمان کو تازہ اور قوی کر کے انہیں پورے دین پر مستقیم کر دیا جائے۔ حضرت علاّمہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایسے دور میں عالمِ اسلام سے حدیث اور علومِ حدیث ختم ہو رہے تھے، ملّتِ اسلامیہ میں حدیث کے علوم کا احیا کیا وغیرہ وغیرہ، یہ سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔

بانیِ مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ملّتِ اسلامیہ ہند کی بقا و سربلندی کے لیے خاکہ تیار کرنے کے بعد زیادہ وقت نہیں ملا، آپ چالیس سال کی عمر ہی میں جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، آپ کی مشن کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ نے کی۔ آج دیوبندیت کے لیے اگر کوئی ہستی کامل آئیڈیل ونمونہ ہے تو وہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی ہے، دیوبندیت نام ہے چار اوصاف کا:

(۱) علمِ کامل (۲) عملِ کامل (۳) تقویٰ کامل (۴) حمیّت وغیرت کامل

آج ہم علمی، عملی وفکری ہر اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کے دور میں ہیں۔ آج برِصغیر کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے علما آپ کے شاگردوں کے تیار کردہ ہیں۔

یاد رہے حضرت شیخ الہندؒ کی جدوجہد صرف مسلمانانِ برصغیر کے لیے نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کے تھی، آپ خوب سمجھتے تھے کہ برِصغیر سے انگریز کے قدم اکھڑتے ہی وہ عرب اور دیگر مسلم ممالک پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے رازدار وشاگردِ رشید حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کو جس مشن پر روانہ کیا تھا وہ عالمی مشن تھا، جس میں جرمنی (یورپ) سے اسلحہ، خلافتِ عثمانہ سے عسکری مدد، افغانستان سے راہ داری وفوجی قبائلی علاقوں سے جاں باز سپاہی لے کر پورے برصغیر کو انگریزوں سے آزاد کروانا تھا۔ حکومت کو اپنے خفیہ اداروں سے تھوڑی سی بھنک مل گئی، اسی لمحہ ڈاکٹر انصاری صاحب نے خفیہ میسج بھیجا، آپ گرفتاری سے قبل فوراً حجاز نکل جائیں، حجاز میں آپ خلافتِ عثمانیہ کے ترکی گورنر (مدینہ) غالب پاشا اور ان کے واسطہ سے خلافتِ عثمانیہ کے وزیر جنگ انور جمال پاشا سے ملاقات کر کے اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے تھے، دوسری طرف برطانوی شعبہ انٹیلی جنس نے لارنس آف عربیہ کے ذریعے عربوں کو ترکوں سے آزادی کا جھانسہ دے کر حجاز میں ترکی کے مقرر کردہ حکمران شریف مکہ کو غداری پر آمادہ کر لیا۔ خلافتِ عثمانیہ کے ان غداروں نے حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کو قید کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح آپ تقریباً ساڑھے تین سال مالٹا میں قید رہے،

آپ نے قید میں جو صعوبتیں اٹھائیں، بڑھاپے میں آپ کا جسم زار و نزار ہو گیا اور متعدد موذی امراض لگ گئے۔ چنانچہ رہا ہو کر ہندوستان واپس ہوئے تو جسم کی ساری توانائی نچڑ چکی تھی بہ مشکل ساڑھے پانچ ماہ زندہ رہے وہ بھی مسلسل صاحبِ فراش اور وجع المفاصل، پیچش، بواسیر، تپ لرزہ جیسے متعدد موذی امراض کا شکار رہ کر، لیکن آپ اپنے مقاصد سے ذرا غافل نہیں ہوئے، آپ کی فکر و کارکردگی دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی فکر، حکمتِ عملی اور پالیسی کے اعتبار سے اس وقت عالم گیریت (گلوبلائیزیشن) کے دور میں تھے جب یورپ محض نیشنل ازم (وطنیت) کے دور میں تھا۔

آپ ۸/جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہا ہو کر بحری جہاز کے ذریعہ ممبئی پورٹ پہنچے، ممبئی میں دو روز نہایت مصروف گزارے، بندرگاہ سے مولانا شوکت علی اور تحریکِ خلافت کے ہزاروں پرجوش رضا کار شان دار جلوس کی شکل میں خلافت کمیٹی کے مرکزی دفتر واقع محمد علی روڈ لے گئے۔ ممبئی میں بھارت کی اہم سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور مشاہیر سے آپ نے ملاقاتیں کیں جن میں مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ جیسے رہنما شامل تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پورے برصغیر میں حضرت شیخ الہندؒ کے مقام و مرتبہ کا کوئی رہنما نہیں تھا۔ نہ صرف طبقہ علما نے بلکہ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ پارٹیوں سمیت سب ہی نے آپ کو اپنا عظیم رہنما تسلیم کیا۔ دیوبند جا کر بھی آپ تمام سیاسی لیڈروں سے رابطہ میں رہے۔ لیکن مدرسۂ دیوبند کو حکومت کے غیض و غضب سے بچانے کے لیے آپ نے اپنے رابطے انتہائی خفیہ رکھے، آپ دیوبند میں مدرسہ سے دور ایک مکان میں سکونت پذیر ہوئے، جس کوٹھی کہا جاتا تھا۔ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ اور دیگر پارٹیوں کے رہنما حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات و مشورہ کے لیے عموماً گہری رات کے بعد خاموشی سے آتے اور کوٹھی میں ٹھہر جاتے، آپ آدھی رات کے بعد ان سے چپکے سے ملاقات فرما لیتے، سرحد کے خدائی خدمت گار (خان عبدالغفار خان) کو حکم تھا کہ دیوبند نہ آئیں بلکہ دیوبند سے پہلے یا بعد کے اسٹیشن پر اتریں، آپ وہیں پہنچ کر ملاقات کر لیں گے۔

اسارتِ مالٹا کے دوران آپ ملّتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے مسلسل غور و خوض فرماتے رہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں واپسی پر آپ نے اپنی پالیسیوں (حکمتِ عملی) کو یکسر تبدیل فرما دیا، آپ کی نئی حکمتِ عملی و پالیسی کے دو بنیادی ستون تھے، ایک عسکریت کے بجائے ڈائیلاگ، آپ نے دیکھا کہ عالمِ کفر دن بدن طاقت ور اور عالمِ اسلام کمزور و بے بس ہوتا جا رہا ہے اور اپنوں (مسلمانوں) میں غداری و بے وفائی آ گئی (ریشمی رومال تحریک اپنوں کی غداری ہی سے ناکام ہوئی) چنانچہ ایک قابل جرنیل کی طرح آپ نے جنگ کی حکمتِ عملی تبدیل کی، آپ مسلسل دیکھ رہے تھے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے مسلمان جہاد کا نعرہ لگا کر برطانیہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے۔ کیونکہ انگریز برادرانِ وطن (ہندو) کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کی جہادی تحریکوں کو کچل دیتا تھا، ہندوستان میں ہندو انگریز کا ہاتھ تھام کر ایک مضبوط اور طاقت ور قوم بن رہا تھا اور مسلمان ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو رہے تھے۔ اسی لیے آپ کی نئی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ڈائیلاگ کے ذریعہ برادرانِ وطن کو آزادی کی جدوجہد میں ساتھ لیا جائے، آپ جانتے تھے کہ مسلمان تو پیچھے رہ کر بھی اپنے حصہ سے زیادہ قربانیاں دیں گے مگر ہندو

قوم مسلمان لیڈر شپ میں قربانی نہیں دے گی، آنے والی قیادت کے لیے ہندو (مہاتما گاندھی) کو آگے کیا۔ کیونکہ جب تک اکثریت ساتھ نہیں دیتی انگریز کو برصغیر چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے دوسری حکمتِ عملی یہ اختیار فرمائی کہ لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم نے مسلمانوں کے مقتدر طبقات اور شرفاء کو انگریز کی سوچ وفکر اور طرزِ زندگی کا وارث بنا دیا تھا، آپ نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف دستِ شفقت بڑھا کر انہیں اپنا ترجمان بنا لیا۔ اس طرح انہیں اپنی سوچ وفکر اور امنگوں کا وارث بنا لیا۔ اس لیے آپ انتہائی ضعف و بیماری کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لے گئے تاکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے درد وفکر میں شریک کر کے انہیں انگریز کے خلاف کھڑا کریں۔ آپ کے ضعف ونقاہت کا یہ عالم تھا کہ آپ دیوبند سے پالکی میں لیٹ کر روانہ ہوئے، نقاہت کی وجہ سے خطبۂ صدارت نہیں پڑھ سکتے تھے جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھا، جس میں آپ نے فرمایا:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ اپنی گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ پھر فرمایا: ''اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔''

اسی خطبۂ صدارت میں آپ نے فرمایا:

''آپ میں جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کسی بھی وقت کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں بے شک یہ کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا کہ لوگ نصرانیت (مغربیت) کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب یا مذہب والوں کا مذاق اڑاتے یا حکومتِ وقت کی پرستش کرنے لگتے ہیں، ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا اچھا ہے۔''

آپ کے بے قرار دل سے نکلی صدا نے جدید طبقہ کے دل کو مسخر کر لیا، چنانچہ آپ نے ترکِ موالات یعنی برطانوی حکومت سے ہر طرح کا تعاون ختم کرنے کی اپیل کی تو یونیورسٹی کے بہت سے طلبا نے یونیورسٹی سے رشتہ توڑ لیا۔ یہ واقعہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کا ہے۔ اس طرح دہلی میں جامعہ اسلامیہ مسلمانوں کی دوسری بڑی یونیورسٹی حضرت شیخ الہندؒ کی بدولت وجود میں آئی۔

غرض حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر برصغیر کی ملّتِ اسلامیہ کو دو بنیادی پالیسیاں عطا کیں۔ (۱) ڈائیلاگ (۲) جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر کے انہیں اپنا ترجمان بنانا،

اگر ہم ڈائیلاگ کی راہ پر ہوتے تو آج عالم گیریت کے دور میں اقوامِ عالم سے ڈائیلاگ کے ذریعہ قرآن کے مطابق انسانی مسائل کا حل پیش کر رہے ہوتے، اسی طرح جدید تعلیم یافتہ طبقہ عالمی حالات کو جتنا سمجھتا ہے قدیم طبقہ نہیں اور جدید طبقہ کے پاس وہ زبان واسلوب ہے جسے اقوامِ عالم سمجھتی ہیں، صرف اس کے پاس قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی نہیں ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو ملّتِ اسلامیہ کی کشتی موجودہ حالات کے بھنور سے نکل سکتی ہے۔ کاش حضرت شیخ الہندؒ کو زندگی نے کچھ اور مہلت دی ہوتی تو آپ کسی حد تک قدیم وجدید کی خلیج پاٹ دیتے، سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ طبقۂ علما نے حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کی حکمتِ عملی فراموش کر دی۔ نہ ڈائیلاگ جاری رہا، نہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر سکے، بلکہ دونوں طبقات میں دن بہ دن فاصلہ بڑھتا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کے شاگردوں (جو بلا واسطہ یا بالواسطہ تقریباً تمام ہی علما دیوبند ہیں) آپ کی جدید پالیسی کے دونوں نکات پر توجہ نہیں دی۔ اگر طبقۂ علما ۱۹۲۰ء کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی کے دونوں نکات پر کاربند ہو کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا لیتے تو برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

بندہ گزشتہ دنوں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ملفوظات پڑھ رہا تھا، حضرت بار بار نہایت رنج وغم سے فرماتے:

''مولوی ہار گیا۔''

اور یہ مولوی اس وقت تک ہارتا رہے گا جب تک حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی پر نہیں آتا اور عصری تقاضوں سے آگاہ نہیں ہوتا۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، جنوری ۲۰۱۳ء)

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501